Vol.3 No.2 2020

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

اندلس میں اجنبی کا تنقیدی مطالعہ (اسلامی تاریخ کے آئینے میں)

Critical Study of the "Undlas main Ajnabi" (In the Mirror of Islamic History)

محمد ریاض عابد، [1] محمد سلمان بھٹی، [2] عابد سلیم [3]

۱۔ پی ایچ ڈی ریسرچ سکالر، شعبہ اُردو، یونیورسٹی آف ایجوکیشن، لوئر مال کیمپس، لاہور۔

۲۔ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، یونیورسٹی آف ایجوکیشن، لوئر مال کیمپس، لاہور۔

۳۔ پی ایچ ڈی ریسرچ سکالر، شعبہ اُردو، یونیورسٹی آف ایجوکیشن، لوئر مال کیمپس، لاہور۔

Abstract

Travelogue is the tale of a journey wherein the writer describes his experiences and observations along with his emotions. Yousaf Khan Kambal Posh's travelogue " Ajeabat-a-Farang" dates its starts in Urdu. Though numerous travelogues were written after it, yet it never gained the fame and popularity that it gained after 1960. **Mustansar Hussain Tarar** is one of the leading writers amongst the rest who played a vital role making it recognized as a literary genre. This travelogue "Undlas **Main Ajnabee**", published in 1972 not only fulfills his long-lasting wish but also reflects Islamic culture and civilization. It is an important milestone in highlighting Islamic history, culture and civilization. No doubt his travelogue **"Undlas Main Ajnabi**" rediscovers the indelible impressions of Islamic culture and civilization that the Muslims left in Undlas. It contains fundamental importance amongst all other travelogues written with the aforesaid motto.

Key Words: Travel, Travelogue, Mustansar Hussain Tarar, Islamic History, Islamic Civilization, Islamic Culture, Undlas

کلیدی الفاظ: سفر، سفر نامہ، مستنصر حسین تارڑ، اسلامی تاریخ، اسلامی تہذیب، اسلامی ثقافت، اندلس

سفر انسانی زندگی میں ہمیشہ اہم رہا ہے۔ اس کہیں تو وسیلہ ظفر کہا گیا اور کہیں کامیابی کی کنجی قرار دیا گیا۔ اگر یہ کہا جائے کہ انسان کی موجودہ ترقی بھی انہیں اسفار کی مرہون منت ہے تو شائد غلط نہ ہو۔ سفر کر کے ہی مسلمانوں نے تین براعظموں میں اپنی فتوحات کے جھنڈے گاڑے اور یورپی اقوام سے اپنی طاقت کا لوہا منوایا۔ انسان کی فطرت ہے کہ وہ بالکل آنکھ بند کر کے سفر نہیں
کر سکتا۔ سفر کے دوران وہ جہاں بھی جائے گا وہاں کی تہذیب و ثقافت، رسم و رواج، رہن سہن کا ضرور مشاہدہ کرے گا۔ ان میں سے
جو باتیں اسے اچھی یا بُری لگتی ہیں اسے یاد بھی رہ جاتی ہیں جسے وہ مزے لے لے کر اپنے دوستوں یاروں کی محفل میں سُناتا ہے۔ سفر کی اسی داستان کو سفر نامہ کہتے ہیں۔ سفر نامہ، سفر نامہ نگار کے تجربات، مشاہدات اور احساسات کا مجموعہ ہوتا ہے جسے وہ قارئین کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اکثر لوگ سفر کے دوران اپنے تجربات اور مشاہدات کو یاداشتوں کی صورت ڈائری میں لکھتے جاتے ہیں اور سفر کے اختتام پر ساری یاداشتوں کو اکٹھا کر کے سفر نامے کی صورت دے دیتے ہیں۔ اگر کوئی ایسا نہیں کرتا تو اس کے دوست احباب اسے مجبور کرتے ہیں کہ وہ انہیں اپنے سفر اور سیر و سیاحت کے بارے میں کچھ بتائے۔ بعض مقامات انسان کی زندگی میں بہت زیادہ اہمیت اختیار کر جاتے ہیں اور انسان کو اس مقام یا مقامات سے اک خاص اُنس ہوتا ہے۔ ہر انسان کی خواہش ہوتی کہ وہ اُن مقامات کو اپنی آنکھوں سے دیکھے یا اُن کے بارے میں معلومات حاصل کرے۔ اُندلس بھی ایک ایسا ہی ملک ہے جس سے مسلمانوں کے آٹھ سو سالہ دور حکومت کی تاریخ جڑی ہے۔ افریقہ کے گورنر موسیٰ بن نصیر کے آزاد کردہ غلام طارق بن زیاد نے بطور فاتح اندلس کی سرزمیں پر پہلا قدم رکھا اور پھر موسیٰ کے ساتھ مل کر پورے اندلس کو فتح کیا اور اسے مسلم خلافت میں شامل کیا۔ اندلس ایک خوبصورت ملک تھا جسکی وجہ سے عربوں نے وہاں جا کر بسیرہ کرنا

Vol.3 No.2 2020

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

شروع کر دیا۔ جو بھی وہاں جاتا اس کی خوبصورتی سے متاثر ہوئے بنا نہ رہتا اور واپس آ کے اپنے جذبات و احساسات سب کو بتاتا جن کو سُن کر کئی اور لوگ اندلس جانے کو تیار ہو جاتے۔ مسلمانوں نے اپنے عہد میں اندلس کو اس قدر ترقی دی کہ وہ نہ صرف مسلمانوں بلکہ دنیا بھر کے لیے تعلیم و تہذیب کا مرکز بن گیا۔ دنیا بھر سے سیاح اُس کو دیکھنے کے لیے آتے اور واپس جا کر اندلس کی شان و شوکت کے بارے میں سب کو بتاتے۔ پھر ایک دن وہ آیا کہ اُندلس سے مسلمانوں کی حکومت ختم ہو گئی لیکن مسلمانوں نے اپنے ورود و نزول کے جو انمٹ نقوش چھوڑے تھے اُن کو ختم نہیں کیا جا سکا۔ آج بھی مسلمان بڑے شوق سے اُندلس جاتے ہیں تا کہ وہ مسلمانوں کے عروج و زوال کے نشانات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں۔ مستنصر حسین تارڑ کی بھی دیرینہ خواہش تھی کہ وہ بھی اُندلس کے اُن تاریخی مقامات کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں جو مسلمانوں کے عروج و زوال کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ مستنصر حسین تارڑ وہ سفر نامہ نگار ہیں جنہوں سے اس فن سے محبت کی ہے یہی وجہ ہے کہ وہ مشاہدات میں اس قدر کھو جاتے ہیں کہ خود کو اسی دنیا کا باسی خیال کرتے ہیں اگرچہ مستنصر حسین تارڑ کا فن کئی اصناف اور فنون میں بکھرا ہوا ہے لیکن اُن کی اصل پہچان ایک سفر نامہ کی ہی ہے۔ بنیادی طور پر وہ ایک آوارہ گرد ہیں جو بنا کسی مقصد کے اپنا تھیلہ کندھے میں ڈالتے ہیں اور گھر سے نکل کھڑے ہوتے ہیں۔

> بعض اوقات میں اپنے آپ سے سوال کرتا ہوں کہ میں بنیادی طور پر کیا ہوں؟ شارٹ سٹوری رائٹر، ناول نگار، سفر نامہ نگار، ڈرامہ نگار یا پھر اداکار؟ جس پر مجھے جواب ملتا ہے کہ میں بنیادی طور پر ایک آوارہ گرد یا سیاح ہوں۔(1)

مستنصر حسین تارڑ کا پہلا قیام سان سباستیان میں تھا جہاں اپنے ہر سفر نامے کی طرح ایک ٹرین میں مستنصر حسین تارڑ کی ملاقات دو عدد امریکی لڑکیوں سے ہوتی ہے جو ہسپانیہ کی سیر کو نکلی تھیں مگر اب اس سفر میں وہ تارڑ کی ہمسفر بن گئیں۔ کرنسی تبدیل کرنے کا معاملہ بھی پیش آیا جسے حل کرنے میں دو انگریز عورتوں نے مدد کی۔ سان سباستیان کا سب سے مشہور کھیل بل فائٹنگ ہے تارڑ نے جب ایک ایک جگہ لوگوں کا ہجوم دیکھا تو بتا چلا کہ بل فائٹنگ کا مقابلہ ہونے والا ہے تو انہیں بھی دیکھنے کا اشتیاق ہوا اور اس ہجوم کے ساتھ وہ بھی مقابلہ دیکھنے رنگ میں چلے جاتے ہیں۔ مستنصر حسین تارڑ نے اپنے سفر نامے میں بل فائٹنگ کے اس مقابلے کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے اور بل فائٹنگ کی مختلف اقسام بھی بیان کی ہیں۔ سان سباستیان سے مصنف کا سفر پامپلونا کی طرف تھا جس کے لیے انہوں نے ایک راہ گیر سے لفٹ لی۔ اس لفٹ میں تارڑ کو پیٹرول کی آدھی قیمت اس جیپ والے کو دینی تھی جس کا نام ٹونی تھا۔ ٹونی برطانیہ میں گوشت کی ایک دکان پر کام کرتا تھا تو سارا دن اس کے جسم سے گوشت کی بو آتی رہتی تھی۔ ایک دن رہوڈیشیا کی سفید فام حکومت نے اپنی آبادی کا تناسب بڑھانے کے لیے سفید فام کاشتکاروں کی ضرورت کا اشتہار دیا جس میں دو سو ایکڑ تک زمین اور دیگر مراعات دینے کا وعدہ کیا۔ ٹونی نے اپنا سب کچھ بیچا اور کچھ جمع پونجی اکٹھی کر کے ایک جیپ اور کھیتی باڑی کے چند اوزار خریدے اور افریقہ کی طرف چل پڑا۔ راستے میں باسک صوبے کے ایک حصے طلوسا میں ان کا قیام ہوا پیرانیز کی پہاڑیوں کے دامن میں واقع ہے۔ ان پہاڑیوں کی خاص اہمیت یہ ہے کہ ان کو ہی عبور کر کے عبدالرحمٰن الغافقی نے فرانس پر حملہ کیا اور کچھ اُندلسی سرداروں ابوالاسود، ابن حبیب اور عامل العربی کی شہ پر انہیں پہاڑیوں کو عبور کر کے فرانس کے صدر شارلیمان نے سرقسط کا محاصرہ کیا۔ اس محاصرے کے دوران جرمنی نے فرانس پر حملہ کر دیا تو شارلیمان کو محاصرہ اٹھا کر واپس جانا پڑا اور واپسی پر ساری فوج مسلمانوں کے ہاتھوں ماری گئی۔ اس حملے سے شارلیمان اتنا بددل ہوا کہ پھر اندلس کی طرف پلٹ کر نہ دیکھا بلکہ امیر اندلس کی خوشنودی کے لیے اپنی بیٹی اس کے حرم میں دینے کی پیشکش بھی کی۔

مستنصر حسین کے اس سفر نامے کی خوبی یہ ہے کہ انہوں یہ سفر نامہ ساتھ ساتھ تحریر کیا ہے اس لیے کہیں بھی بات کا تسلسل ٹوٹنے نہیں پاتا۔ وہ ایک شہر سے دوسرے شہر کا سفر کرتے ہوئے راستے میں پیش آنے والے ایک ایک واقعے کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ اگر کہیں کوئی تاریخی مقام یا خلافت اندلس سے جڑی کسی بات کا پتہ چلتا ہے تو ان کی آنکھیں چمک اُٹھتی ہیں اور وہ مسلمانوں کے کارناموں پر جیسے فخر محسوس کرتے ہیں کہ یہاں کے باشندوں کی سہولت کے لیے مسلمانوں نے جو اقدامات کیے وہ نہ اس کے پہلے کیے گئے اور نہ اس کے بعد کیے جا سکے۔ قشتالیہ میں ٹونی کی زبانی جب اسے پتہ چلتا ہے کہ موروں نے مسافروں کی سہولت کے لیے ہر راستے میں کنویں بنوائے تھے تو تارڑ کو خوشی کا احساس ہوتا ہے۔

Vol.3 No.2 2020
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

قشتالیہ میں دونوں ایک یوتھ ہوسٹل میں قیام کیا یہاں انتہا کی گرمی تھی۔ایک رات یہاں قیام کرنے کے بعد انہوں دوبارہ اپنا سفر شروع کر دیا۔ مدینہ سِلی پہنچے تو تارڑ نے اس شہر فتح اور یہاں مسلمانوں کے عروج کی تاریخ کو بھی قاری کے لیے بیان کیا تا کہ قاری پڑھتے ہوئے دلچسپی کا مظاہرہ کرے۔

مستنصر حسین تارڑ سفر نامہ لکھتے وقت صرف سفری معلومات فراہم کرنے پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ سفر نامے میں دلچپسی پیدا کرنے کے لیے چند حقیقی کرداروں کو بھی اپنے سفر نامے میں شامل کر لیتے ہیں۔ان کرداروں کی وجہ سے سفر نامے کہانی کا رنگ نظر آنے لگتا ہے۔ مستنصر حسین تارڑ ناول نگار بھی ہیں اس لیے ان کا سفر نامہ پڑھنے سے اکثر ایسا لگتا ہے کہ وہ شعوری طور پر افسانہ لکھ رہے ہیں۔ مستنصر کی شخصیت میں سیاح اور ادیب اکٹھے ہو گئے ہیں کہ اب ان کو ایک دوسرے سے الگ کر کے نہیں دیکھا جا سکتا۔ تحریر کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو:

> "ڈبے میں گھٹن نا قابل برداشت حد تک بڑھ گئی تھی۔ فرانسیسی تازہ ہوا کو سم قاتل سمجھتے ہیں اور ہمیشہ اپنے گھر کی اور دورانِ سفر ٹرین کے ڈبے کی کھڑکیاں مضبوطی سے بند کر کے سوتے ہیں۔۔۔۔۔ جب کبھی ہسپانوی مزدور منہ کھولے خراٹے لے رہا تھا۔ دونوں راہبائیں بالکل اکڑوں بیٹھی سو رہی تھیں۔ جب کبھی پٹڑی بدلنے سے ٹرین جھولتی تو ان کے سر آپس میں ٹکرا جاتے مگر وہ فوراً سنبھل جاتیں اور پھر اکڑ کر بیٹھ جاتیں۔"(2)

مستنصر حسین تارڑ کے تو کہانی میں خود اس حوالے سے رقمطراز ہیں:

> "میں ایک لینڈ سکیپ یا ایک منظر کو دیکھ کر ذہن میں رکھنے کی کوشش کرتا ہوں اور پھر واپسی پر اسے اپنے سامنے دوبارہ زندہ کرنے کا جتن کرتا ہوں اور جب وہ منظر بیان کرتا ہوں تو اُس میں اس منظر سے جدائی کی کسک بھی شامل ہو جاتی ہے۔اس لینڈ سکیپ کے لیے اداسی بھی تحریر میں جھلکنے لگتی ہے اور جب لکھتا ہوں تو اس لمحے کی محرومیاں اور ناکامیاں بھی اس میں شامل ہونے لگتی ہیں۔ شائد اسی لیے مرے بارے میں کہا جاتا ہے کہ میرے سفر ناموں میں فکشن بھی سرایت کر جاتی ہے۔"(3)

خالد محمود سفر نامے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "اس کے باوجود نئے سفر نامہ نگاروں میں تارڑ نے اپنی پہچان الگ بنائی ہے، ان کا اپنا اسلوب، اپنا انداز اور اپنا مزاج ہے، انہوں نے اردو سفر نامے کو نئی جہت سے آشنا کیا ہے، نئی سمت و رفتار بخشی ہے، ان کے سفر نامے اردو سفر ناموں کے ارتقاء کا اہم سنگ میل ہیں۔ مستنصر حسین تارڑ نے اردو سفر نامے کو اس راہ سے آشنا کیا ہے جو اپنے اندر فکشن کی خصوصیات رکھنے کے باوجود سفر نامہ ہے۔ مستنصر حسین تارڑ کے سفر نامے تخلیقی فنکاری کی بہترین مثال ہیں۔"(4)

مستنصر حسین تارڑ جب قرطبہ پہنچے کو ٹکٹ چیکر کو بتایا کہ وہ قرطبہ جا رہا ہے تو اس نے بڑی حیرانی سے ان کی طرف دیکھا۔ ایسے ہی بہت سے اور نام جن پر وقت کی دھول جم چکی ہے اور ایسا لگتا ہے کہ ان کا کبھی وجود ہی نہیں تھا جیسے غرناطہ، اشبیلیہ، قشتالیہ، بلخ، سمرقند، بخارا اور ہرات ایسے نام لگتا ہے کسی داستان کے لیے وضع کیے گئے تھے۔ اب ان سے وہاں کوئی آشنا نہیں ہے۔ مستنصر اندلس کی تاریخ سے بخوبی آشنا ہیں اور لگتا ہے کہ انہوں نے یہ سفر اختیار کرنے سے پہلے اندلس کی تاریخ کا بڑا گہرا مطالعہ کیا ہے۔ وہ تاریخ کو یوں بیان کرتے ہیں جیسے سفر نامہ نہیں تاریخ لکھ رہے ہوں۔ پورا پورا واقع اپنی مکمل جزئیات کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور اپنی بات کو تقویت دینے کے لیے جہاں ضروری خیال کرتے ہیں مختلف مؤرخوں کی کتابوں سے حوالے بھی دیتے ہیں۔انہوں نے تاریخی حوالوں سے بتایا کہ کہ اندلس میں مسلمانوں کی حکومت کیسے قائم ہوئی اور اس کا محرک کون تھا۔ لزریق شہنشاہ اُندلس کے قریبی ساتھی نے افریقہ کے گورنر موسیٰ بن نضیر کو اندلس پر حملے کے لیے اکسایا۔ وجہ یہ تھی کہ اُندلس کے امراء میں دستور تھا کہ وہ اپنی

Vol.3 No.2 2020
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

اولادوں کو آداب شاہی سیکھنے کے لیے طلیطلہ کے شاہی محل میں بھیج دیتے تھے اور ان کے جوان ہونے پر بادشاہ ان کی شادیاں کرواتا اور ان کا کفیل بھی ہوتا تھا۔کاؤنٹ جولین کی بیٹی بھی شاہی محل میں تھی لزریق کا اس پر دل آگیا اور ناجائز تصرف کر بیٹھا۔اس بات کا بدلہ لینے کے لیے کاؤنٹ جولین موسیٰ بن نصیر سے جاملا۔

موسیٰ بن نصیر نے چند آدمی بھیج کر تجربہ کیا جو کامیاب رہا پھر اس نے طارق بن زیاد کی قیادت میں لشکر بھیجا جس نے لزریق کی فوج کو بری طرح شکست دی یوں ہسپانیہ میں مسلمانوں کی راہ ہموار ہوگئی۔لیکن موسیٰ نے طارق کو مزید پیش قدمی سے روک دیا اور خود فودلے کر محاذ پر چلا گیا اور کچھ علاقے فتح کرتا ہوا طارق سے جاملا۔یہاں طارق بن زیاد اور موسیٰ بن نصیر کا اختلاف سامنے آتا ہے۔موسیٰ نے اپنی گورنری کا فائدہ اُٹھایا اور مال غنیمت،قیدی اور باقی سب کچھ اپنے کھاتے میں ڈال لیا۔اقتباس ملاحظہ کیجئے۔

"موسیٰ یورپ فتح کرنے کی حسرت دل میں لیے واپس لوٹا مگر اس شان و شوکت کے ساتھ کہ اس کے گھوڑے کے پیچھے چار سو ہسپانوی شہزادے تاج پہنے چل رہے ہیں۔شاہانہ لباس میں سینکڑوں شہزادیاں پالکیوں میں سوار ہیں اور چالیس ہزار سفید فام غلام مالِ غنیمت اُٹھائے چلے آرہے ہیں۔"(5)

مستنصر حسین تارڑ نے اُندلس کی تاریخ کے حوالے سے جو باتیں نقل کی ہیں ان میں سے بہت سی درست ہیں تاہم کچھ باتیں ایسی بھی ہیں جن میں اختلاف پایا جاتا ہے۔مستنصر نے لکھا ہے کہ طارق کے چند ساتھیوں نے طارق کی معزولی کو بنیاد بنا کر ولید کو موسیٰ کے خلاف بھڑکا دیا جبکہ ولید نے طارق،موسیٰ اور مغیث رومی کو اکٹھے طلب کیا تھا۔اقتباس ملاحظہ کیجئے

"طارق بن زیاد اور مغیث رومی نے سلیمان تک پہنچنے میں سبقت کی اور موسیٰ کے خلاف سخت شکایت کی اور جو سلوک موسیٰ نے مائدہ کے سلسلے میں طارق سے اور والیٔ قرطبہ کے معاملے میں مغیث رومی کے ساتھ کیا تھا اس کا بھی ذکر کر دیا۔اس کے ساتھ یہ بھی کہا کہ اس مہم میں موسیٰ کو ایک اتنا قیمتی پتھر ملا ہے کہ فارس کے جواہرات ہاتھ آنے کے بعد ویسا پتھر کسی بادشاہ کے خزانے میں نہ آیا ہوگا۔جب موسیٰ دربار خلافت میں پہنچا تو خلیفہ نے اور ان کے بیٹے نے ان سے چھوٹتے ہی طارق اور مغیث کی شکایت کے سلسلے میں جواب طلب کیا۔موسیٰ نے بعض عذرات پیش کئے۔پھر خلیفہ نے مائدہ طلب کیا۔موسیٰ نے کہا کہ یہ حاضر ہے۔خلیفہ نے اسے دیکھ کر دریافت کیا کہ کیا شروع سے ہی اس کا ایک پایہ کم تھا۔موسیٰ نے کہا کہ جی ہاں!ایسا ہی تھا۔یہ سنتے ہی طارق بن زیاد نے اپنی قبا میں ہاتھ ڈال کر اس کا پایہ نکالا۔اس بات سے خلیفہ کو موسیٰ کے جھوٹ اور ان کے متعلق ہر شکایت میں طارق کی سچائی کا یقین ہو گیا،موسیٰ بن نصیر کو فوراً قید کیے جانے کا حکم صادر کر دیا۔"(6)

مستنصر حسین تارڑ لکھتے ہیں کہ طارق بن زیاد نے پانچ ہزار سپاہ کے ساتھ جہازوں پر سمندری پٹی کو عبور کیا۔سپاہ کی تعداد والی غلطی تو شائد نادانستہ ہوگئی ہو لیکن جہازوں والی بات تو یقیناً انہوں نے دانستہ کی ہے۔جبکہ انہیں بھی معلوم تھا کہ جس زمانے میں یہ واقعہ پیش آیا اس زمانے میں جہازوں کا نہیں بلکہ کشتیوں کا دستور تھا۔ملاحظہ کیجئے اقتباس:

"بہر حال،موسیٰ نے طارق کو سات ہزار مسلمانوں کی جمعیت سے جزیرہ اندلس پر چڑھائی کے لیے روانہ کیا۔اس لشکر میں زیادہ تر بربر اور موالی(آزاد کردہ غلام) تھے۔عرب برائے نام تھے۔ان لوگوں کے پاس صرف چار کشتیاں تھیں،انہیں کشتیوں پر یہ لوگ سوار ہو کر کئی پھیروں میں پہنچے۔"(7)

Vol.3 No.2 2020
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

مستنصر حسین تارڑ نے سفر نامہ لکھنے میں حقیقت نگاری کا مظاہرہ کیا ہے اور یہی بات مستنصر حسین کے سفر نامے کو دوسرے سفر ناموں کے منفرد و ممتاز کرتے ہیں۔ حقیقت نگاری کی وجہ قاری اسے پڑھتے ہوئے بوریت کا شکار نہیں ہوتا بلکہ سفر نامے میں اس کی دلچسپی بڑھتی جاتی ہے۔ ایک کامیاب سفر نامے کی خوبی بھی یہی ہوتی ہے کہ وہ قاری کو مکمل طور پر اپنی گرفت میں رکھتا ہے۔ مستنصر حسین ایک سچا اور حقیقت پسند آدمی ہے ان کے اس سفر نامے کی خوبصورتی یہ ہے کہ اس میں جو کچھ بھی بیان کیا گیا ہے حقیقت کے قریب تر ہے۔ قاری جب اس سفر نامے کو پڑھتا ہے تو اسے لگتا ہے کہ وہ سفر نامہ نہیں پڑھ رہا بلکہ خود سفر کر رہا ہے۔ مستنصر حسین تارڑ کوئی بڑے سہل انداز میں اپنی بات مدلل انداز میں بیان کرتا ہے اور یہ خوبی بہت کم لوگوں میں ہوتی ہے۔ مصنف کی مسجد قرطبہ پر پہلی نظر پڑی تو اس کے جذبات کچھ یوں تھے:

"لاس فلورس کے پھولوں میں مجھے مسجد قرطبہ کے زرد مینار کی پہلی جھلک دکھائی دی۔ ایک چوکور حجم قرطبہ کے نیلے آسمان کے وسعتوں کو چھو رہا تھا۔ مینار کی چوٹی پر تین بڑے گھڑیال یوں لٹکے ہوئے تھے جیسے کسی نے تین سیاہ کنول اُلٹا کر رکھ دیئے ہوں۔ مجھے تو چوٹی کے اوپر صرف قرطبہ کے حفاظتی سینٹ رافیل کا مجسمہ ہاتھ پھیلائے شہر کی عمارتوں پر سایہ فگن دکھائی دیا۔ میں اقبال کی چشم بینا کہاں سے لاتا جسے یہ مینارِ بلند جلوہ گہِ جبرئیل نظر آیا اور میں نے کچی اینٹوں کی ایک محراب میں پیوست بند پھاٹک کا زنگ آلود کنڈا سر کایا اور میں مسجد کے مینار کے قدموں میں کھڑا تھا۔"(8)

مستنصر حسین تارڑ مسجد قرطبہ کی تعمیر کے تاریخ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"عبدالرحمٰن نے ایک لاکھ درہم کے عوض یہ قطعہ زمین عیسائیوں سے حاصل کیا اور مسجد امیہ دمشق کے مطابق نقشہ بنوا کر 756ء میں خود اپنے ہاتھوں سے مسجد قرطبہ کی بنیاد رکھی۔ تعمیر کی ذاتی دیکھ بھال کی غرض سے رصافہ کے کھجوروں کے درختوں سے جدا ہو کر قریبی القصر میں آٹھہرا اور روزانہ دو گھنٹے عام مزدوروں کی طرح مسجد کی تعمیر کے لیے اینٹیں اور گارا اپنی پشت پر ڈھوتا۔ اگرچہ مسجد ابھی تک مکمل نہ ہوئی تھی۔ ہر طرف ملبے کے ڈھیر تھے پلستر گیلا تھا۔ نقش و نگار میں رنگ آمیزی باقی تھی کہ عبدالرحمٰن کے دل میں اس خیال کی جڑیں پھیلنے لگیں کہ اس کا رشتہ حیات منقطع ہونے کو ہے۔ چنانچہ حکم افتتاح جاری ہوا۔ ملبے کے ڈھیروں کو پردوں سے چھپایا گیا۔ نامکمل فرش پر قالین بچھائے گئے۔ سفید قفکان، سفید عبا اور سفید عمامے میں ملبوس سرخ بالوں والے عبدالرحمٰن نے اسی محراب میں کھڑے ہو کر خطبہ و نماز کی ادائیگی کر کے مسجد کے باقاعدہ افتتاح کی سعادت حاصل کی۔"(9)

مسلمان حکمرانوں نے اپنے عہد کئی عجوبہ روزگار عمارتیں تعمیر کروائیں جو اپنی مثال آپ تھیں انہیں میں سے ایک مدینۃ الزہرہ بھی تھا۔ لیکن افسوس کہ وہاں کے سرداروں اور حکومت کے ہوس مندوں نے ساری محنت کو مٹی میں ملا دیا۔ یہ شہر چالیس سال میں تعمیر ہوا لیکن اس سے بھی کم عرصے میں تباہ و برباد ہو گیا۔

"ان کھنڈروں میں جن میں ایک ایسا عجوبہ روزگار ایوان خاص تھا جس کی دیواریں سونے اور چاندی سے تعمیر ہوئی تھیں۔ اس کے وسط میں ایک ایسا فوارہ تھا جس کے نیچے تالاب میں ہر وقت پارہ بھرا رہتا تھا۔ سورج کی کرنیں ایک خاص زاویے سے جب ایوان کے روشندانوں میں سے داخل ہوتیں تو ایک غلام خلیفہ کے حکم پر پارے کو ہلا دیتا۔ پورا ہال ایک متحرک اور ناقابل برداشت تیز روشنی کی زد میں آجاتا۔ دیواروں پر جڑے سونے اور فواروں میں نصب جواہرات کی چمک اس پر مستزاد۔۔۔ سینکڑوں خوبصورت تالابوں، باغات محلات اور انتظامی امور کی عمارتوں پر مشتمل مدینتہ الزہرا یعنی کنیز زہرا کا شہر پینتالیس برس بعد بربر قبائل نے اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔"(10)

Vol.3 No.2 2020
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

قرطبہ کے دور عروج میں مسلمانوں کے پاس ہر شعبے میں ماہرین موجود تھے۔اس دور میں قرطبہ یورپ میں تعلیم و تربیت کے حوالے سے مشہور تھا۔وہاں سے پڑھ کر نکلنے والوں نے زمانے بھر میں اپنے فن کے جوہر دکھائے

جو آج بھی لوگوں کے لیے حیران کن ہیں۔ مسجد قرطبہ کی تعمیر میں بہت سے ایسے راز ہیں جنہیں کوئی نہیں جان سکا۔مسجد کو اس انداز سے تعمیر کیا گیا تھا کہ کسی لاؤڈ سپیکر کے بغیر تیس، پینتیس ہزار لوگوں کو آواز باآسانی سُنائی دے جاتی تھی۔

"وہ لوگ علم ہندسہ کے ماہر تھے۔ محراب کی چھت میں قوسیں، کماندار اُبھرے ہوئے خطوط اور گہرائیاں ایسی ہندسی ترتیب سے تعمیر کی گئی تھیں کہ خلیفہ وقت جب موروں کے مقدس دن جمعہ کا خطبہ پڑھاتا تو اس کی آواز ان قوسوں سے ٹکرا کر گہرائیوں میں اترتی، دوچند ہو کر کماندار خطوط سے چھوتی اور پھر محراب میں متعدد بار گردش کرنے کے بعد کئی سو گنا بلند ہو کر باہر نکلتی اور پوری عمارت میں پھیل جاتی۔مسجد میں موجود تیس ہزار سے زائد عبادت گزار چاہے وہ المنصور کے حصے میں ہی کیوں نہ بیٹھے ہوں، اس گونجتی ہوئی آواز کو بخوبی سن لیتے۔"(11)

سفر نامے کو پڑھ کر لگتا ہے مستنصر حسین تارڑ جزئیات نگاری کے ماہر ہیں۔وہ ہر ایک چیز کی تفصیل یوں بیان کرتے ہیں کہ پڑھنے والے کو کسی قسم کی تشنگی باقی نہیں رہتی۔جب وہ الحمرا کے نازک ستونوں کا ذکر کرتے ہیں یا برج القارش کا ذکر کرتے ہیں تو ایک ایک بات کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔مستنصر حسین نے الحمرا کی ایک چیز کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے جس سے لگتا ہے کہ اتنا عرصہ گزر جانے کے باوجود الحمرا آج بھی اُندلس میں مسلمانوں کی شان و شوکت کا عظیم نشان ہے۔یہ محل آج بھی اُندلس میں مسلمانوں کی عظیم الشان تاریخ کی یاد دلاتا ہے۔یہ محل فن تعمیر کا شہکار ہے اور آج بھی بہت سارے یورپین کے لیے عجوبہ ہے۔اس کے نقش و نگار اور طرز تعمیر آج بھی لوگوں کو یاد دلاتے ہیں کہ اُندلس نے جو عروج مسلمانوں کے دور میں دیکھا پھر اسے نصیب نہیں ہوا۔الحمرا کی تعمیر میں فن اور کاریگری کا ایک نمونہ ملاحظہ کیجئے:

"دراصل اُندلس کے معماروں نے تعمیر الحمرا کے لیے متساوی الاضلاع تکون کو بنیادی کو بنیاد بنایا جس میں قاعدے کے مطابق کشش ثقل کی لہریں ایک دوسرے کو منسوخ کرتی چلی جاتی ہیں۔چنانچہ ستونوں میں متساوی الاضلاع محرابیں تعمیر کی گئیں اور یوں عام خیال کے برعکس پوری عمارت کا بوجھ نازک ستونوں پر نہیں بلکہ محرابیں اس بوجھ کو کچھ یوں تقسیم کرتی ہیں کہ یہ ستونوں میں سے بالکل پانی کی طرح بہہ کر زمین میں جذب ہو جاتا ہے۔جیسے آسمانی بجلی ارتھ کی گئی عمارت پر گرتے ہی عمارت کو نقصان پہنچائے بغیر تار میں سے گزر کر زمین میں جذب ہو جاتی ہیں۔" (12)

اُندلس پر مسلمانوں کی گرفت کمزور پڑنا شروع ہوئی تو ایک آخری شہر غرناطہ اُن کے پاس رہ گیا جہاں ابوالحسن کی حکومت تھی اور عیسائی اس کے بھی پیچھے تھے اور مسلمانوں کو اُندلس سے بالکل بے دخل کر دینا چاہتے تھے۔مسلمان اسی ایک صوبے میں سمٹ کر رہ گئے تھے اور اسے بھی بچانا مشکل معلوم ہو رہا تھا۔یہ بات سوچ کے حیرت ہوتی ہے کہ کیا یہ وہی اُندلس ہے جہاں امیر عبدالرحمٰن کا سبز عمامہ پہنچ جاتا تھا وہاں کے حکمران علاقہ خالی کر کے چلے جاتے تھے۔دراصل عیسائی کی پہلے دن سے یہ خواہش تھی کہ وہ مسلمانوں کو یہاں سے نکال باہر کریں اور اس کام کے لیے انہوں نے ہر ہتھکنڈہ آزمایا۔مسلمانوں کی صفوں میں غدار ہر عہد میں رہے اور انہوں مسلمانوں اور اسلام کو ہمیشہ نقصان پہنچایا۔ابوالحسن غرناطہ کو بچانے کی آخری کوششیں کر رہا تھا اُدھر قشتالیہ کے فرڈیننڈ اور آرگان کی ازبیلا نے آپس میں شادی کر کے ابوالحسن کے خلاف اتحاد کر لیا۔ابوالحسن دشمنوں سے برسرپیکار تھا ادھر ان کی سازشی بیوی کے اکسانے پر ان کے بیٹے عبداللہ نے دارالسطنت پر قبضہ کر لیا۔یہ شخص بزدل تھا مقابلے کی ہمت نہیں رکھتا تھا اس لیے فرڈیننڈ اور ازبیلا نے بڑی آسانی سے اسے شکست دے کر سارے اُندلس پر حکومت کے اپنے خواب کو سچ کر دکھایا۔عبداللہ جب شہر کی کنجیاں کاؤنٹ ٹیوڈلا کے حوالے کر کے شہر سے نکلا تو راستے میں ایک موڑ پر پیچھے مڑ کر دیکھا تو اس کی آنسو آ گئے تو اس کی ماں نے تاریخی جملہ کہا

"اللہ اکبر" عبداللہ نے جذبات سے مغلوب ہو کر کہا۔اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر عائشہ نے نفرت سے کہا۔" جس شے کی تم مردوں کی طرح حفاظت نہیں کر سکے،اس کے چھن جانے پر عورتوں کی طرح آنسو کیوں بہاتے ہو؟"(13)

اگرچہ مسلمانوں کو امان دینے کا معاہدہ ہوا تھا لیکن اپنے ازلی تعصب کے پیش نظر عیسائی بعد میں اپنے معاہدے سے مکر گئے اور مسلمانوں پر نہ صرف ظلم ستم کیے بلکہ اُن کو وہاں سے نکل جانے پر بھی مجبور کیا۔ فلپ دوم نے مسلمانوں کو زبردستی مسلمان بنایا تو فلپ سوم نے زبردستی مسلمانوں اندلس سے نکال باہر کیا اسی راستے سے جس راستے سے طارق بن زیاد فاتح کی حیثیت سے اندلس میں داخل ہوا تھا۔اس طرح اندلس پر مسلمانوں کی نو سو تیئس سالہ حکومت کا سورج غروب ہو گیا۔

مستنصر حسین تارڑ کا سفر نامہ "اُندلس میں اجنبی "نہ صرف اُندلس کی بہترین تاریخ ہے بلکہ اُندلس پر اسلامی حکومت کے عروج وزوال کا بھی بہترین مرقع ہے۔انہوں قارئین کو نہ صرف مسلمانوں کے شاندار ماضی سے آگاہ کیا ہے بلکہ یہ بھی بتایا ہے کہ آج بھی مسلمانوں کے عروج کے بہت سے نقوش وہاں دیکھے جا سکتے ہیں۔اُندلسی عیسائی حکمرانوں نے اگرچہ مسلمانوں کو وہاں سے نکال دیا لیکن اُن کی حکومت کے نقوش نہیں مٹا سکے۔سفر نامہ اُندلس کی معلومات کا بہترین ذریعہ اور اسلامی تاریخ کا آئینہ دار ہے۔یہ سفر نامہ اردو سفر نامے کی روایت میں عموماً اور اندلس کے سفر ناموں میں خصوصاً ایک اہم اضافہ ہے۔

حواشی

1۔ http://todayreport.com.pk/interview/3960

2- مستنصر حسین تارڑ،اُندلس میں اجنبی،لاہور،سنگ میل پبلی کیشنز:2018ء ص نمبر 13

3- مستنصر حسین تارڑ،کے ٹو کہانی،لاہور،سنگ میل پبلی کیشنز:1994ء ص نمبر 209

4- خالد محمود،اردو سفر ناموں کا تنقیدی مطالعہ،دہلی،مکتبہ جامعہ لمیٹڈ:2011ء ص نمبر 374،375

05- مستنصر حسین تارڑ،اُندلس میں اجنبی،لاہور،سنگ میل پبلی کیشنز:2018ء ص نمبر 119

06- مولوی محمد زکریا مائل،تاریخ الاندلس،لاہور،نیکسن ایج پبلشنگ کمپنی: ص نمبر 106،107

07- ایضاً ص نمبر 74

08- مستنصر حسین تارڑ،اُندلس میں اجنبی،لاہور،سنگ میل پبلی کیشنز:2018ء ص نمبر 138

09- ایضاً ص نمبر 149

10- ایضاً ص نمبر 86

11- ایضاً ص نمبر 146،147

12- ایضاً ص نمبر 246،257

13۔ ایضاً ص نمبر 265